ڈاکٹر عبدالحفیظ
شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

قرآن: خلق یا امر

اسلام بھی دین ہے اور کفر بھی دین۔ اسلام وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے پسند کیا ہے۔(5:03) کفر وہ ادیان ہیں جو بندوں کی خواہشات سے تشکیل پذیر ہوئے ہیں۔پہلی امتوں پر اسلام جس جس صورت میں نازل ہوتا رہا وہ اپنے اپنے حال پر کامل تھا،حضرت محمدﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اکمل کر دیا'۔(5:03) یہ کہنا کہ اسلام بمقابلہ کفر ایک مکمل ضابطہ حیات ہے،بات کرنے کا وہ انداز ہے جو قرآن پاک نے اختیار کرنا پسند نہیں کیا۔فہم دین کا حوالہ ایک نہ رہے تو اختلاف ہو جانا لازم ہے۔قرآن پاک ہی فہم دین کا وہ حوالہ ہے جس کو اللہ نے 'الحق' فرمایا ہے۔(2:147; 3:60; 32:2-3) جمہور امت کی رائے سے مطابقت کسی نظریے کی صحت کا معیار نہیں ہوتی۔'قول' کی صورت میں معیار حق ہونے کا مرتبہ صرف قرآن پاک کو حاصل ہے۔(6:73) اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی!(4:87۔کسی کی نہیں!) کسی بھی انفرادی یا اجتماعی رائے کی قرآن پاک سے مطابقت ہی اس کی صحت کا ثبوت ہے۔دین میں اکراہ نہیں، کا حکم یاد رہے تو کسی پر اپنے نظریات مسلط نہ کئے جائیں گے۔اپنے مذہبی نظریات کے مطابق اس طرح زندگی بسر کی جائے گی کہ دوسروں کیلئے اپنے مذہبی نظریات کے مطابق زندگی گذارنے کے یکساں حق کو تسلیم کیا جائے گا۔لیکن ہماری تاریخ میں ایسے مواقع بارہا آئے جب مذہبی آزادی کے احترام کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔مسلمانوں کے شیعہ اور سنّی میں تقسیم ہو جانے کے بعد سنّی مسلمانوں کی فکری تاریخ میں ابتداً جو مکاتب فکر وجود میں آئے وہ 'اشاعرہ' اور 'معتزلہ' کے نام سے مشہور ہیں۔ان کے درمیان جو مسائل ما بہ النزاع ٹھہرے ان میں سے ایک خلق قرآن/عدم خلق قرآن کا مسئلہ تھا۔تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں جب عباسی خلیفہ معتزلہ کا ہمنوا ہو گیا تو ریاستی قوت سے علماء کو خلق قرآن کے مسئلہ پر معتزلہ عقائد اختیار کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی گئی۔مذہبی جبر وتشدد کا وہ بازار گرم ہوا جو آج بھی ہمارے لئے باعث ندامت ہے۔میں نے صرف ایک مسئلہ کا تجزیہ کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق نہ اشاعرہ کا نظریہ درست تھا اور نہ معتزلہ کا۔امید ہے اس مضمون کے مطالعہ سے ان مسائل پر ازسرنو غور کرنے کی تحریک ملے گی جن پر آج ہمارے علماء اور دانشور جبر وتشدد اور عدم رواداری کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔

معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن پاک 'مخلوق' اور 'حادث' (created and accident) ہے۔بعض

کا عقیدہ تھا کہ قرآن پاک ابتدائے آفرینش میں لوح محفوظ پر تخلیق کیا گیا جس نے بعد از نزول قرآن متلو کی صورت اختیار کی، جبکہ اکثر اس کے زمانہ ءنزول میں تخلیق کئے جانے کے قائل تھے۔ قرآن مجید کے 'غیر مخلوق' اور 'قدیم' (uncreated and eternal) ہونے کے نظریہ کو وہ عقیدہ توحید سے متصادم سمجھتے تھے۔ وہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر نہ تھے لیکن اس کے غیر مخلوق ہونے اور قدیم (ازلی) ہونے کے منکر تھے۔ **1** اشاعرہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن پاک 'کلام اللہ' ہے۔ (9:06) 'کلام اللہ' مخلوق نہیں ہوسکتا۔ ابوالحسن الاشعری نے سورہ الاعراف آیت نمبر **54** میں اس فرمان الٰہی سے کہ 'سن لو! خلق بھی اسی کی ہے امر بھی اسی کا ہے' استدلال کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ 'خلق' اور 'امر' دو الگ کیٹیگریز ہیں۔ سورہ الرّوم کی آیت نمبر **25** میں اس فرمان الٰہی سے کہ 'اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ زمین اور آسمان اسی کے امر سے قائم ہیں۔' استدلال کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ اللہ کا فرمان (کلام) ہی اس کا 'امر' ہے، اللہ کی 'خلق' اس کے 'امر' سے قائم ہے۔ قرآن پاک 'کلام اللہ' ہے۔ اسلئے یہ 'خلق' نہیں بلکہ 'امر' کی کیٹیگری سے تعلق رکھتا ہے۔ 'امر' کا 'خلق' سے پہلے ہونا لازم ہے۔ 'امر' سے پہلے کسی 'امر' کو مانا جائے تو کسی اور 'امر' کا اس سے بھی پہلے ماننا لازم آئے گا۔ اس کو لامتناہی طور پر بڑھانا منطقی طور پر ناقابل فہم ہے۔ اللہ کا 'امر' اسکی صفت کلام میں مضمر ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ سے اللہ کے ساتھ تھا۔ اسطرح ابوالحسن الاشعری کلام الٰہی کو (کلام نفسی کی صورت میں) اللہ کی صفت کلام کے اندر مضمر قرار دیکر استدلال کرتا ہے کہ قرآن پاک قدیم ہے۔ 'غیر مخلوق کلام الٰہی' ازل سے خدا کی صفت کلام کے طور پر خدا کے ساتھ تھا، جسے ابتدائے آفرینش سے ایک 'غیر مخلوق ازلی قرآن' (pre-existent Quran) کی صورت میں لوح محفوظ پر رکھ دیا گیا جہاں اپنے نزول تک یہ موجود رہا۔ **2**

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں روایتی طور پر یہ عقیدہ رائج تھا کہ قرآن پاک غیر مخلوق ہے۔ **3** سوال یہ ہے کہ اس بات کے درست ہونے کی کیا سند ہے! اگر عام مسلمانوں یا روایتی علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں ابھی فلسفیانہ اصطلاحات فروغ نہیں پا سکی تھیں اور روایتی عقیدہ سے مراد وہ عقیدہ ہے جو ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر مسلمانوں میں وجود رکھتا تھا تو روایتی طور پر مسلمان یہی مان سکتے تھے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضور نبی ءکریم ﷺ کے قلب اطہر پر بتدریج نازل فرمایا۔ قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے بارے میں کوئی عقیدہ روایتی طور پر کیسے پایا جاسکتا تھا! مسلمانوں میں ایک قبل نزول قرآن کے موجود ہونے اور ایک آسمانی قرآن (heavenly Quran) کی صورت میں کسی پوشیدہ کتاب یا لوح محفوظ یا امّ الکتاب میں

پائے جانے کا عقیدہ پیدا ہو جانے کے جواز میں تین ثبوت پیش کئے جاتے ہیں: قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ 1۔ یہ بڑی شان والا قرآن ہے لوح محفوظ پر۔(85:22) 2۔ یہ عربی قرآن ہے جو امّ الکتاب میں ہے۔ (43:03-4) 3۔ یہ قرآن مجید ہے اور ایک پوشیدہ کتاب (کتاب مکنوم) میں ہے۔(56:78)4 ان آیات کے باوجود، قرآن پاک کے کلام اللہ ہونے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضور نبی ءکریم ﷺ کے قلب اطہر پر بتدریج نازل فرمائے جانے کے عقیدہ کے ہوتے ہوئے، ابتدائے آفرینش سے ایک غیر مخلوق یا مخلوق قرآن کے لوح محفوظ پر پائے جانے کا عقیدہ مسلمانوں یا روایتی علماء میں غیر اسلامی اثرات کے بغیر کیسے وجود میں آ سکتا تھا جبکہ انہیں علم تھا کہ قرآن پاک مسلمانوں کو حضور ﷺ سے غیر ضروری سوال پوچھنے سے منع فرماتے ہوئے کہتا ہے: کہ اس وقت جب قرآن پاک نازل فرمایا جا رہا ہے ایسی اشیا کے بارے میں سوال نہ کرو کہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔ لیکن اگر تم پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔(5:101) کیا اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی تصور کیا جا سکتا تھا کہ کوئی پہلے سے لکھا لکھایا قرآن پاک موجود تھا جس میں سے بتدریج آیات نازل فرمائی جا رہی تھیں! بنیادی بات یہ ہے کہ کسی عقیدہ کا مسلمانوں میں کسی بھی دور میں مبیّنہ روایتی یا غیر روایتی طور پر پایا جانا کسی سند کا درجہ نہیں رکھتا۔ قول کی صورت میں معیارِ حق ہونے کا درجہ صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ فہم قرآن کے حوالے سے درجات ہیں۔ فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم۔(12:76) یہودیوں کے ہاں پہلے سے قبل نزول تورات (pre-existent Turah) کا عقیدہ موجود تھا۔5 قبلِ نزول قرآن کے ہونے کا عقیدہ وہاں سے مسلم فکر میں داخل ہوا۔ عیسائی نظریہ ہستی (Ontology) میں مخلوق / غیر مخلوق کے علاوہ کسی اور کیٹیگری کا کوئی تصور نہیں تھا۔ مسئلہء ذات و صفات پر عیسائیوں سے مباحث کے دوران یہ اصطلاحات مسلمانوں نے اپنائیں۔ اصطلاحات کبھی نیوٹرل نہیں ہوتیں۔ اصطلاحات کی پشت پر وہ نظریات لازماً سوار ہوتے ہیں جہاں سے وہ لی جاتی ہیں۔ 'ناحق' کو 'حق' میں ملانے سے خرابی ہی پیدا ہو سکتی ہے۔(2:42) جب معتزلہ نے قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا نظریہ پیش کیا تو مسلمانوں کے ہاں اسے روایتی عقیدہ (فلسفیانہ اثرات سے پاک عقیدہ) کے خلاف ہونے کی بناء پر ناپسند کیا جانا بالکل قدرتی بات تھی۔ روایتی علماء، بالخصوص امام احمد بن حنبل اور ان کے ہم نواؤں نے اس پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا۔ یہ علماء اگر قرآن پاک کی اسناد کی روشنی میں استدلال کرتے اور قرآنی اصطلاحات میں اپنا موقف پیش کرتے تو یہ بڑی خدمت ہوتی لیکن یہ بھی مخلوق / غیر مخلوق اور حادث / قدیم کی غیر قرآنی فلسفیانہ اصطلاحات کے جال میں پھنس گئے اور معتزلہ کے ردّعمل کے طور پر اس نظریہ کی تبلیغ کی کہ قرآن پاک غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اس طرح دوسری انتہا کو جا پہنچے۔ بالعموم سمجھا جاتا ہے کہ اشاعرہ نے ان انتہا

پسندانہ نظریات کے مابین اعتدال کی راہ اختیار کی، لیکن یہ بات بھی درست معلوم نہیں ہوتی۔وہ بھی غیر قرآنی اصطلاحات کو اختیار کرنے کے مضمرات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔الفاظ کی صورت میں اظہار سے پہلے ذہن میں پائے جانے والے تصورات کیلئے اشعری نے 'کلام نفسی' اور پیرایہ اظہار کی صورت اختیار کرنے کے بعد 'کلام لفظی' کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہا کہ نزول سے پہلے قرآن پاک کلام نفسی کی صورت میں اللہ کے ساتھ تھا اور نزول کے بعد اسنے کلام لفظی کی صورت اختیار کی۔اپنی اصل کے اعتبار سے یہ غیر مخلوق ہے۔اشعری کی 'کلام نفسی' اور 'کلام لفظی' کی اصطلاحات کا ماخذ قرآن پاک نہیں۔انکا ماخذ بھی فلو (Philo) کے فلسفہ میں پایا جاتا ہے جسے بالآخر فلسفہء افلاطون کے امثال کی بیرون خدا تعبیر (extradeical interpretation of Platonic Ideas) میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔اس تعبیر کے مطابق امثال دراصل ذہن خداوندی میں پائے جانے والے ازلی خیالات/تصورات ہیں۔ جب خدا نے تخلیق کائنات کا ارادہ کیا تو ان ازلی تصورات نے محسوس صورت اختیار کرلی ۔6

اشاعرہ اور معتزلہ دونوں کے نظریات قرآن پاک کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے۔اشاعرہ کا قرآن پاک کے قدیم ہونے کا نظریہ اسلیئے قرآنی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا کہ اس میں 'لوح محفوظ' اور 'خدا کے علم' کا تصور دیگر قرآنی تصورات مثلاً انسانی آزادی اور جوابدہی، ہدایت وگمراہی کے اصول، اور ام الکتاب وغیرہ سے ہم آہنگ نہیں۔مثلاً قرآن پاک کے مطابق ہر انسان ایسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش سے پہلے یا پیدائش کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا قطعاً فیصلہ نہیں فرما دیا جاتا کہ موت کے وقت وہ حالت کفر میں دنیا سے رخصت ہو گا۔7 ایسے افراد جن کے حالت کفر میں دنیا سے رخصت ہونے کا قرآن پاک میں ذکر ہے مثلاً فرعون، ہامان، سامری اور بالخصوص ابولہب اور اسکی بیوی کے بارے میں بھی یہی بات درست ہے۔یہ بات ممکن ہی نہیں کہ ان کی تذمیم پر **مشتمل** آیات ازل ہی سے لوح محفوظ پر لکھ دی جاتیں۔ ابتدائے آفرینش سے قرآن پاک کے غیر مخلوق کلام الٰہی کی صورت میں لوح محفوظ پر رکھے جانے یا بصورت دیگر لوح محفوظ پر تخلیق کیئے جانے کے عقیدہ سے یہ لازم آئے گا کہ ازل ہی سے یا کم ازکم ابتدائے آفرینش سے ابولہب کا گنہگار ہونا اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہونا طے پا چکا تھا۔یہ عقیدہ ایسی اخلاقی جبریت کو جنم دیتا ہے جو اسلامی عقائد بالخصوص اخلاقی آزادی اور اعمال کی جوابدہی کے یکسر خلاف ہے۔درج بالا عقیدے کو ماننے کی صورت میں اس نتیجہ سے مفر ممکن بھی نہیں۔انسان کو اخلاقی اعمال میں آزاد قرار دینے والوں کیلئے اسے ماننا ممکن نہیں تھا۔جب قدریہ (معتزلہ) نے اس عقیدے کا انکار کرتے ہوئے قرآن کے بوقت نزول تخلیق کیئے جانے کا نظریہ پیش کیا تو انھیں 'کلام اللہ' کو مخلوق قرار دینے کے اعتراض کا سامنا کرنا پڑا اور یہ اعتراض درست بھی

تھا۔اسکےعلاوہ بھی یہ نظریہ درست نہیں تھا۔آیئے قرآن پاک کی روشنی میں ان عقائد کا جائزہ لیتے ہیں:۔

1۔اللہ تعالیٰ ہر شے کو ہستی عطا فرمانے والا ہے۔ذات باری نے جن اشیاء کو ہستی عطا کی ہے قرآن پاک انھیں دو اقسام:'امر' اور 'خلق' میں بیان فرماتا ہے۔. سن لو خلق بھی اسی کی ہے امر بھی اسی کا ہے۔... (07:54) یہ اللہ ہی ہے جس نے کسی شے کو خلق کیا ہے اور یہ وہی ہے جس کے امر سے وہ اپنے مقصد تخلیق کے حوالے سے متحرک ہے۔(30:25)

2۔آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے یہاں تک کہ موت اور حیات بھی، 'خلق' کی کیٹیگری سے تعلق رکھتے ہیں۔اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، چھ دن میں خلق فرمایا۔۔(32:04) ...وہ جس نے موت اور حیات کو خلق فرمایا...(67:02)

3۔اللہ نے کسی شے کو بے مقصد تخلیق نہیں کیا۔مقصد تخلیق کا تعین تخلیق سے پہلے ہونا ضروری ہے۔۔اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، حق کے ساتھ اور اجل مسمّٰی کے ساتھ خلق فرمایا ہے ...(30:08)

4۔اللہ جس شے کو تخلیق فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے، اللہ کا 'امر' ہی مقصد تخلیق کے حوالے سے اسے اس کے متعین دائرہ کار میں متحرک کرتا ہے۔ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا، پھر عرش پر استوا فرمایا۔ رات، دن کو ایک دوسرے سے ڈھانپتا ہے کہ جلد ہی ایک کے پیچھے دوسرا آ جاتا ہے، اور شمس وقمر اور نجوم اس کے امر سے مسخر ہیں۔ سن لو خلق بھی اسی کی ہے امر بھی اسی کا ہے۔...(07:54)

5۔اگرچہ 'امر' کا تعین شے کی تخلیق سے پہلے ہونا ضروری ہے لیکن یہ جاری، صادر یا نازل اس وقت کیا جاتا ہے جب شے اسکو قبول کرنے کی استعداد پا لیتی ہے۔یعنی 'امر' کا نزول حال پر ہوتا ہے۔ فرمایا , ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خِلقَت عطا کی، پھر اسے راہ سجھائی۔(20:50)

6۔قرآن 'امر' کی کیٹگری سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ 'خلق' کی کیٹگری سے۔یہ [قرآن] اللہ کا امر ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے ۔ ... (65:05)

7۔قرآن شریعت کا ماخذ ہے اور شریعت بھی اللہ کا 'امر' ہے نہ کہ اسکی تخلیق ۔پھر ہم نے تمہیں امر سے شریعت پر ٹھہرایا، تو اسی کا اتباع کرو...(45:18)

8۔اللہ کا 'امر' ہمیشہ نازل کیا جاتا ہے نہ کہ تخلیق ۔اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین سے انہی کی مثل۔ 'امر' ان کے مابین نازل ہوتا ہے، تا کہ تمہیں علم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ کا علم ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔(65:12)

تنقیدی جائزہ:

1۔ 'قرآن پاک کے مخلوق / غیر مخلوق ہونے کے حوالے سے بحث کرنا بنیادی طور پر غلط تھا۔قرآن پاک کے بارے میں جائز طور پر صرف یہ سوال اٹھایا جا سکتا تھا کہ قرآن پاک 'خلق' ہے یا 'امر' اور اس کا صحیح جواب یہی ہو سکتا تھا کہ یہ 'امر' ہے۔ابوالحسن الاشعری نے قرآن پاک کو 'امر' قرار دیکر یقیناً صحیح موقف اختیار کیا لیکن قرآن پاک کو 'کلام اللہ' کی حیثیت سے اللہ کی صفت کلام کے ساتھ تطبیق دیکر اسے قدیم ثابت کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہ تھی۔یہ دراصل اللہ کی صفت کلام کی تجسیم (incarnation) کے مترادف تھا۔اسطرح تو قرآن خدا کے ساتھ ہم ازلی (co-eternal) ہو جائے گا۔اشاعرہ نے اس مسئلہ کے حل کیلئے کلام لفظی اور کلام نفسی میں تمیز کا جو راستہ اختیار کیا وہ بھی 'کلام اللہ' کو اللہ کے مترادف ٹھہرانے ہی کی ایک صورت تھی۔قرآن پاک اللہ کا نازل کردہ کلام ہے اور اللہ اس کلام کا نازل فرمانے والا ہے، دونوں ایک نہیں ہو سکتے۔ **8**

2۔ اللہ کلام پر قادر ہے اور اپنے بندوں یا اپنی مخلوق میں سے جس سے جب چاہے کلام کر سکتا ہے، درج ذیل آیات قرآنی سے واضح ہے: 42:51; 7:143-44; 4:164; 3:77; 253, 174۔قرآن پاک اپنے کو اور اپنے سے پیشتر نازل شدہ کتابوں کو 'کلام اللہ' کہہ کر پکارتا ہے۔(2:75; 9:06 ; 48:15) کلام کرنا صفت باری ہے جیسے خلق کرنا ہے۔زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے مابین ہے اللہ کی صفت خلق، صفت ابداع و دیگر صفات

سے وجود پذیر ہوئے ہیں۔قرآن پاک اللہ کی صفت کلام،صفت حکم ،صفت امر و دیگر صفات سے وجود پذیر ہوا ہے۔یہ بات دیگر نازل شدہ کتابوں اور بندوں یا مخلوق سے اللہ کے کلام کے بارے میں بھی درست ہے۔

3۔ایسا نہیں ہے کہ اللہ یکبارگی سب کچھ تخلیق کر کے فارغ ہو گیا بلکہ وہ حال پر بھی تخلیق کرتا ہے جو چاہے۔...وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔...(35:01)اسی طرح ایسا نہیں تھا کہ اسے جو کلام کرنا تھا یکبارگی اس سے فارغ ہو گیا اور اسے لوح محفوظ پر رکھ کر مناسب وقت پر نازل کرتا رہا، اللہ جب چاہے اپنی مخلوق سے کلام پر قادر ہے... اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام فرمایا، کلام فرمانا۔ (04:164)

4۔قرآن پاک کی آیات دو طرح کی ہیں۔ایک وہ جو براہ راست احکام کی شکل میں ہیں، دوسری وہ ہیں جن کے پڑھ لینے یا سن لینے سے اس بیان کے مطابق حق عائد ہو جاتا ہے۔پہلی محکمات ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔امّ الکتاب کا درجہ محکمات کو حاصل ہے، کہ ہر فیصلے میں معیار یہی محکمات ہیں۔متشابہات سے جو نتیجہ بھی اخذ کیا جائے، محکمات سے اس کی تصدیق ضروری ہے ورنہ اس نتیجے کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے ان کے سامنے احکام خداوندی کو ماننے کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔یہ لوگ محکمات، جو امّ الکتاب ہیں، کی پرواہ نہیں کرتے۔متشابہات کیلئے معنیٰ متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنے نفس کی خوشی کے مطابق۔یہ گناہ قتل سے زیادہ اشد ہے۔متشابہات کی تاویل کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔علم میں جن حضرات کو راسخ ہونے کا شرف ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے، اس لئے کہ رسول امین نے یہ فرمایا ہے، اور رسول ہی صراط مستقیم پر ہونے کی رو سے معیار مطلق ہے۔(03:07) 9

5۔اللہ کے امر کی حیثیت سے قرآن پاک 'حکم' کا درجہ رکھتا ہے اور یہ عربی زبان میں ہے۔(13:37) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے ہاں امّ الکتاب کی صورت میں لوح محفوظ پر موجود ہے۔(43:3-4; 85:21-22) قرآن پاک جلوت ہے اور امّ الکتاب اسکی خلوت ہے، اور یہ لازم وملزوم ہیں۔یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ محکمات ہی امّ الکتاب ہیں۔(03:07) ان سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ محکمات (امّ الکتاب) قرآن پاک کی بنیاد ہیں۔یہی (امّ الکتاب) وہ معیار ہے جس کی بنیاد پر اللہ مٹاتا ہے جسے چاہے اور ثابت رکھتا ہے جسے چاہے۔(13:39) یہ وہ اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم مطلق اور بے پایاں حکمت سے کتب مقدسہ کی تنزیل سے پیشتر بنی آدم کی ہدایت وگمراہی اور

افراد و اقوام کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کیلئے طے فرما دیئے تھے۔ تقدیر انسانی کا فیصلہ کرنے والے ان اصولوں (امّ الکتاب) کا حقیقی علم اللہ ہی کے پاس ہے اور اسی کے حکم سے یہ نافذ ہیں۔ (13:39; 43:1-4) 'آیاتِ محکمات' اور 'امّ الکتاب' کی تطبیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن پاک کی 'آیاتِ محکمات' انھیں اصولوں پر مشتمل ہیں۔ اس تطبیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ 'محکمات' ہدایت و گمراہی کے اصولوں کی حیثیت سے ابتداءِ آفرینش سے یا نزولِ قرآن سے پیشتر تب سے جس کا حقیقی علم صرف ذاتِ باری ہی کو ہو سکتا ہے موجود رہی ہیں۔ لیکن 'متشابہات' کے بارے میں یہ بات بلا شرط درست نہ ہو گی۔ وہ امّ الکتاب نہیں۔ فرعون، حامان، سامری، ابولہب اور اسکی بیوی سے متعلق آیات محکمات نہیں۔ بہت محتاط رہتے ہوئے اس بحث سے یہ بات ضرور اخذ کی جا سکتی ہے کہ یہ آیات ابتداءِ آفرینش سے وجود نہ رکھتی تھیں۔

6۔ سورہ الواقعہ کی آیات نمبر 79,78,77 میں فرمایا گیا ہے کہ بے شک یہ قرآن کریم ہے کتابِ مّکنوم (محفوظ نوشت) میں۔ اس کو مطہر ہی مس کرتے ہیں۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے قرآن پاک کی حفاظت کا خاص اہتمام کر رکھا ہے۔ اسی حقیقت کو اس طرح بھی فرمایا گیا ہے: ہم نے ہی یہ ذکر نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔ (15:09) **10**

حاصل بحث

مسلم الٰہیات کی تاریخ میں خلق قرآن / عدم خلق قرآن کا مسئلہ غیر قرآنی فلسفیانہ اصطلاحات کو اختیار کرنے سے پیدا ہوا۔ یہ اصطلاحات غیر قرآنی نظریہ ہستی (ontology) پر مبنی تھیں۔ قرآنی نظریہ ہستی (ontology) کے مطابق کائنات قدیم نہیں اور ذاتِ باری نے جسے شرفِ ہستی سے نوازا ہے وہ 'خلق' ہے یا 'امر'۔ جو 'خلق' کی کیٹیگری سے تعلق نہیں رکھتا وہ یقیناً 'امر' کی کیٹیگری سے تعلق رکھے گا۔ قرآن پاک کی حیثیت کے تعین میں جائز قرآنی کیٹیگریز صرف 'خلق' اور 'امر' ہو سکتی تھیں۔ اس اعتبار سے معتزلہ کا موقف کہ قرآن پاک مخلوق ہے اور اشاعرہ کا موقف کہ قرآن پاک غیر مخلوق ہے دونوں غلط ہیں۔ قرآن پاک 'امر' کا درجہ رکھتا ہے اور محکمات اور متشابہات پر مشتمل ہے۔

قرآن کے بارے میں حادث / قدیم کی بحث بھی بالکل بے جا تھی۔ اللہ جس طرح حال پر اپنی خلق میں اضافہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح اپنا امر صادر یا نازل کرنے پر بھی قادر ہے۔

اللہ اپنی ذات وصفات میں تعین سے پاک ہے کیونکہ وہ یکتا ہے۔لیس کمثلہ شی ءوھوالسمیع البصیر۔ 42:11 وہ ہر شے کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔تمام تعینات اسکی صفات کے واسطے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ہر'خلق'ایک تعین ہوتی ہے، ہر'امر'ایک تعین ہوتا ہے۔

اس بحث میں'حادث'اور'قدیم' کی اصطلاحات بھی غور طلب ہیں۔'حادث' فلسفیانہ اصطلاح accident کا عربی مترادف ہے۔ہر واقعہ یا شےء جس کا باعتبار زمانہ آغاز وانجام ہونا متصور ہو حادث ہے۔'قدیم'فلسفیانہ اصطلاح eternity یعنی ازلیت کا مترادف ہے۔فلسفے میں یہ اصطلاح ایسی ہستی کیلئے استعمال ہوتی ہے جس کا بہ اعتبار زمانہ آغاز متصور نہ ہو۔ 11 عیسائی الٰہیات میں'قِدم'کے تصور کو دو انداز میں سمجھا گیا: everlastingness یعنی زمانی تسلسل کی مؤثر بہ ماضی لامحدودیت۔ اور timelessness یعنی زمان سے ماورائیت۔12 جو everlasting ہو وہ زمانی اعتبار سے شے کے مماثل ہی ہوسکتا ہے۔ماورائیت زمانی کے اپنے مضمرات ہیں۔جو timelessness کے مفہوم میں ماوراء ہو اس کا واقعاتِ زمانی سے تعلق ہی کیا ہوگا! 'eternity' فلسفیانہ اصطلاح ہے جسے عیسائیت نے یونانیوں سے اخذ کر کے صفات باری میں شامل کر دیا اور وہاں سے یہ تصور مسلم فکر میں دَر آیا۔13 معتزلہ اور اشاعرہ نے دیگر اصطلاحات کی طرح یہ اصطلاح بھی بلاادنیٰ تأمل عیسائیوں سے قبول کر لی اور مسلم فلسفے میں' قدیم' کالفظ اللہ کی صفت کی حیثیت سے متعارف کرایا۔'قدیم'ق۔د۔م کے مادہ سے عربی زبان کا لفظ ہے اور قرآن پاک میں یہ لفظ تین مرتبہ استعمال بھی ہوا ہے لیکن کہیں بھی یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کو بیان کرنے کیلئے استعمال نہیں ہوا، اور نا ہی اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسم کے طور پر آیا ہے۔مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص کو ان کے حکم کے مطابق ان کے بھائی مصر سے لیکر روانہ ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے فرمایا: مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے اگر یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہوں۔حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت سے جو لوگ آپ کے پاس تھے جنھوں نے یہ بات سنی: کہنے لگے، خدا کی قسم، آپ اس پرانے خبط[ضلٰلك القديم] میں پڑے ہوئے ہیں۔ (12:95) کافر جب ایمان نہیں لاتے تو قرآن پاک کے بارے میں کہتے ہیں:---یہ تو قدیم جھوٹ [افك قديم] ہے۔(46:11) اللہ نے چاند کیلئے منزلیں ٹھہرائیں ہیں، چاند گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔فرمایا: اور قمر کے لئے منازل ٹھہرائیں حتیٰ کہ قدیم شاخ کی طرح ہو گیا۔ (36:39) قرآن پاک میں جہاں کہیں یہ لفظ استعمال بھی ہوا ہے

قطعاً ازلیت (eternity) کے کسی بھی مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔پھر اللہ تعالی کے ذات وصفات پر ایسی اصطلاحات کے اطلاق کا کیا جواز ہے! اس سے کنفیوزن اور اختلاف کے سوا کیا حاصل ہوسکتا تھا! قرآن پاک میں ارشاد ہے:اور کوئی آدمی اللہ کے بارے میں ایسے ہی جھگڑتا ہے ، بغیر علم کے ، ہدایت کے ، اور کتاب منیر کے ۔(22:8)اللہ تعالی کے بارے میں بات کرتے وقت دیکھنا چاہئے کہ ہماری صداقت کا ثبوت موجود ہے!اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔۔۔اللہ کو اسکے اسماء الحسنیٰ ہی سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اسکے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔وہ جلد ہی اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔(7:180)

حواشی

نوٹ:اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان جو مسائل ما بہ النزاع بنے ان میں سے ایک ذات وصفات باری کی نوعیت اور تعلق کا مسئلہ بھی تھا۔یعنی یہ کہ صفات باری، ذات باری سے الگ اور زائد حقیقت کی حامل ہیں یا ایک ہی ہیں۔مسئلہ خلق قرآن/عدم خلق قرآن اسی مسئلہ سے پیدا ہوا۔مسئلہ ذات وصفات باری بھی متکلمین کے غیر قرآنی اصطلاحات کو اپنانے سے پیدا ہوا۔اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کیلئے ملاحظہ کیجئے: عبدالحفیظ، مسئلہ ذات وصفات، اقبالیات، جولائی-ستمبر 1999 اقبال اکیڈمی پاکستان، ص ۔ 27-43 اور

Abdul Hafeez, 'H. A.Wolfson & A. H. Kamali on the Origin of the Problem of Divine Attributes in Muslim Kalam', in *Iqbal Review,*October 1998, Iqbal Academy Pakista, p.81-96.

1. Cf. H.A. Wolfson, *The Philosophy of the Kalam*, Harvard University Press Cambridge, 1976, p. 263-74.

2. Abu 'L-Hasan 'Ali Ibn Isma'il Al-As'ari, *Al- Ibaanah an Usul*

Ad-Diyaanah (Eng. tr.The Elucidation of Islam's Foundation by Walter C. Klein), American Oriental Society, New Haven, 1940, p. 66, 67, 76; *also* see translater's note at page 66. Klein in this note writes"In this section al-Ash'ari repeats himself frequently. He attepts to show, on the one hand, that the Qur'an is not created, because it has not the characteristics of a created thing and exists independently of creation, and, on the other hand, that it is eternal and uncreated because, it is in a sense, a prediate of God's attributes, like His Knowledge and His Will..."

3-ڈاکٹر عبدالخالق اور پروفیسر یوسف شیدائی، مسلم فلسفہ، عزیز پبلشرز لاہور، 1984، ص 46۔ اور

Wolfson, ibid., p.238, 241, 243.

4.Wolfson, ibid., p.238.

5. Ibid., p.238.

6. Ibid., Religious Philosophy: A Group of Essays, The Belknap Press of Harvard University, p.42.

7. *Whoso doth an ill-deed, he will be repaid the like thereof, while whoso does right, whether male or a female, and is a believer, all such will enter the Garden, where they will be nourshed without stint.*(40:40) and also 2:281; 3:25; 16:11; 10:44; 16:118; 73:76; 11:101; 2:62; 5:69; 16:98; 41:46; 45:15 and many other.

8۔ الفاظ کی صورت میں اظہار سے پہلے ذہن میں پائے جانے والے تصورات کیلئے اشعری نے 'کلام نفسی' اور اظہار کے بعد 'کلام لفظی' کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہا کہ نزول سے پہلے قرآن پاک کلام نفسی کی صورت میں اللہ کے ساتھ تھا اور نزول کے بعد اس نے کلام لفظی کی صورت اختیار کی۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ غیر مخلوق ہے۔

Dr. Abdul Khaliq, 'Problem of the Eternity / Createdness of the Quran in Early Islam' in JR(H), xvi(2), p. 10-11.

9۔ حضرت فضل شاہ/محمد اشرف فاضلی، تفسیر فاضلی منزل – 1، فاضلی فاونڈیشن، لاہور، 1992ص 194۔

10۔ غلام احمد پرویز صاحب لوح محفوظ کو کتاب مکنوم سے اور دونوں کو نازل شدہ قرآن سے تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ Ghulam Ahmed Pervaiz, Lughat ul Qurän (Urdu) vols. 4 (in single binding), Lahore, Pakistan: Idara Tal'u e Islam, 1984, p. 1512. یہ بات درست نہیں۔ لوح محفوظ اور قرآن پاک ایک دوسرے سے ممیز ہیں۔ قرآن پاک کے مطابق لوح محفوظ ایسی کتاب ہے: i) جس میں گزری ہوئی نسلوں کا حال درج ہے۔(20:51-2) ii) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ درج ہے۔ (20:70) iii ام الکتاب یعنی وہ اصول جو اللہ نے انسانوں کی ہدایت وگمراہی کا فیصلہ کرنے کیلئے مقرر فرمائے درج ہیں۔(3:7; 13:39; 43:1-4)

11۔ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر، کشاف اصطلاحات فلسفہ (اردو۔ انگریزی)، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی، 1994، ص239۔

12. Nelson Pike, God and Timelessness, London: Routledge & Kegan Paul, 1970, p. ix-x.

13. Richard Swinburne, The Coherence of Theism, Oxford: Clarendon Press, 1977, pp.217.